

## معابدہ حدیبیہ اور اس کے سبق آموز پہلو

مدینے آئے ہوئے چھ سال کا عرصہ بیت چکا تھا۔ کعبہ سے دوری اور مجبوری پر چھ دو روز چکے تھے۔ وطن عزیز کو چھوڑے ہوئے ایک لمبی مدت ہو چکی تھی۔ شوق گھڑیاں گن رہا تھا۔ امنگیں لمحے شمار کر رہی تھیں۔ چاہت بڑھتی جا رہی تھی۔ خواہش دو چند ہو رہی تھی۔ جذبات کی تلاطم خیزی قنوط کی بند پر ضربیں اور احساس کی شدت صبر کے حصار پر ٹھوکریں لگا رہی تھیں کہ ایک رات شر لولاک نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ حلق کرائے ہوئے امن و سکون کے ساتھ مکہ داخل ہو رہے ہیں۔ (دلائل النبوة للبيهقي، باب نزول سورة الفتح.....:

۱۶۴/۴ (حدیث نمبر: ۱۵۱۲)، السیرة الحلبیة، غزوة الحدیبیة: ۶۸۸/۲)

زبان نبوت سے خواب رحمانی کا تذکرہ سن کر صحابہ ﷺ خوش ہو گئے۔ مہاجرین اس لیے کہ اُس شہرستان کا دیدار نصیب ہوگا، جو اُن کی جائے پیدائش رہی ہے، جہاں کے کوچے اور گلیاں آج تک اُن کی نگاہوں کے سامنے ہیں، جہاں کے پہاڑ اور وادی آج تک ذہنوں پر چھائے ہوئے ہیں، جہاں کے پھولوں کی خوشبو سے ابھی تک دماغ میں تازگی ہے اور جہاں کا ادنیٰ تذکرہ بھی دلوں کے لیے باعث سرور ہے اور انصار اس لیے کہ نگاہوں کو اُس دیار کی رویت کی سعادت حاصل ہوگی، جو اُن کے نبی کا وطن رہا ہے، جہاں وہ کعبہ ہے، جسے روئے زمین پر پہلا گھر ہونے کا شرف حاصل ہے اور جس کی طرف رخ کر کے آج تک نماز پڑھا گیا ہے اور ادا کی گئی کرتے رہے ہیں۔

سن چھ ہجری کی پہلی تاریخ کو حضور اکرم ا نے اپنے چودہ سو قدسی صفات اصحاب ﷺ کے ساتھ عمرہ کی غرض سے مکہ کے لیے رخت سفر باندھا۔ مقام ذوالحلیفہ میں ساتھ میں لائے ہوئے ہدی کے جانوروں کو قلابہ پہنا کر اُن کا اشعار (کوہان کو زخمی کر کے خون نکالنا؛ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حرم لے جائے رہے ہیں) کیا اور لبادہ احرام پہنا۔ بسر بن سفیان کو قریش کے حالات سے آگاہی کے لیے پہلے روانہ فرمایا۔ کاروان نبوت جب مقام عسفان میں پہنچا تو اُنھوں نے یہ اطلاع بہم پہنچائی کہ قریش نے آپ کی آمدن کو ایک لشکر جرار تیار کر رکھا ہے اور دخول مکہ سے آپ کو باز رکھنے کے لیے آپس میں عہد و پیمان باندھ لیا ہے۔ یہ خبر بھی گوش گزار کی کہ خالد بن الولید (جو ابھی تک اسلام

\* جامعہ ضیاء العلوم، کندلور، کرناٹکا (انڈیا)۔ jamiljh04@gmail.com

کی سعادت سے محروم تھے) ہر اول دستے کے طور پر دوسو سواروں کے ہمراہ ”عمیم“ تک پہنچ چکے ہیں۔ اس خبر کے سنتے ہی آپ نے اپنا راستہ بدل لیا کہ مقصود لڑائی نہیں؛ بل کہ سعادتِ عمرہ سے سرفراز ہونا تھا۔ (جوامع السیرة لابن حزم، غزوة الحديدية: ۲۰۷/۱)

حدیبیہ کی سرزمین کے لیے یہ بختِ بیداری کی گھڑی تھی اور قیامت تک تاریخ کے اوراق میں نسبتِ رسول کے ساتھ اُسے محفوظ رہنا تھا؛ اس لیے آپ کی سواری کے بڑھتے قدم وادی ہی میں رُک گئے۔ لوگوں نے ”حاصلاتِ القصویٰ، خلاصاتِ القصویٰ“ (اوٹنی بیٹھ گئی، اوٹنی بیٹھ گئی) کی آواز لگانی شروع کی، آپ نے فرمایا: حاصلاتِ القصویٰ، وما ذاک لها بخلق، ولكن حبسها حابس الفيل ”اوٹنی نہیں بیٹھی اور نا ہی اس کی یہ عادت ہے؛ بل کہ اسے اُس ذات نے روک لیا ہے، جس نے ہاتھی کو روکا تھا“۔ پھر آپ نے فرمایا: والذی نفسی بیدہ! لا یسألوننی خطّة یعظمون فیہا حرّ مات اللہ إلا أعطیتہم یاہا ”اُس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر وہ لوگ میرے سامنے کوئی ایسی تجویز رکھیں گے، جس میں اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تعظیم ہوتی ہو تو میں اُسے قبول کروں گا“۔ پھر اوٹنی کو کوچا دیا تو وہ چل پڑی۔ اب آپ مقامِ حدیبیہ کے ایک سرے پر خیمہ زن ہوئے، جہاں کم مقدار پانی والے کنوئیں میں آپ کے ایک تیر ڈالنے کی وجہ سے پانی کے جوش مارنے کا معجزہ ظاہر ہوا۔ (بخاری، باب الشروط فی الجہاد والمصالحة مع اهل الحرب و کتابة الشروط، حدیث نمبر: ۲۷۳۱)

یہاں سے آپ نے خراش بن امیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کو نامہ بر بنا کر قریش کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ ”ہم فقط بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں، جنگ کے لیے نہیں؛ لیکن قریش نے ان کے اونٹ کو ذبح کر ڈالا اور ان کے قتل کے بھی درپے ہو گئے۔ حضرت خراش اپنی جان بچا کر واپس آئے اور سارا ماجرا آپ کے روبرو سنایا (الروض الأنف، غزوة الحديدية: ۴/۵۱)۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پیغام بر بنا کر بھیجنا چاہا؛ لیکن انھوں نے یہ کہتے ہوئے معذرت چاہی کہ ”قریش مجھ سے بہت زیادہ برہم اور میرے سخت دشمن ہیں۔ مزید یہ کہ میرے قبیلہ کا کوئی شخص نہیں، جو مجھے بچا سکے؛ اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجنا زیادہ مناسب ہے کہ وہاں ان کے اعزہ موجود ہیں (جو ناگفتہ بہ حالت میں ان کی حفاظت کریں گے)۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے معقول سمجھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور رسائے مکہ کے پاس اپنا قاصد بنا کر بھیجا، جب کہ وہاں پر موجود مسلمانوں کو یہ بشارت بھی بھجوائی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ فتح نصیب کرے گا اور اپنے دین کو غالب فرمائے گا۔

حضرت عثمان اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی پناہ میں مکہ آئے اور قریش مکہ کو آپ کا پیغام اور وہاں موجود مسلمانوں کو خوش خبری سنائی۔ حضرت عثمان کی زبانی آپ کا پیغام سن کر ابالیان مکہ نے جواب دیا کہ ”اس سال تو محمد مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے، ہاں اگر تم تنہا طوافِ زیارت کی سعادت حاصل کرنا چاہو تو ہو سکتے ہو“۔ حضرت عثمان نے جواب دیا کہ ”میں تنہا کبھی اس سعادت کو حاصل نہ کروں گا“۔ قریش یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے؛ لیکن حضرت عثمان کو وہیں روک لیا۔ ادھر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان قتل کر دیے گئے۔ جب قتل کی یہ خبر آپ کے

کانوں تک پہنچی تو آپ کی طبیعت میں تکدر پیدا ہوا اور آپ نے فرمایا: جب تک میں عثمان کا بدلہ نہ لے لوں، یہاں سے حرکت نہیں کروں گا۔ پھر وہیں ایک بول کے درخت کے نیچے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے پر تمام صحابہ سے بیعت لی، جو تاریخ و سیر کی کتابوں میں ”بیعت الرضوان“ کے نام سے مشہور ہے؛ لیکن بعد میں اس خبر کے غلط ہونے کی بات معلوم ہوئی (السيرة النبوية لابن هشام، غزوة الحديبية: ۲ / ۳۱۵)۔ قریش کو اس بیعت کا حال معلوم ہوا تو وہ خوف زدہ ہوئے اور نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کیا۔

مقام حدیبیہ میں قیام پذیری کے دوران مسلمانوں کے پرانے حلیف بنو خزاعہ (جو پہلے بھی آپ تک قریش کی خبریں پہنچایا کرتے تھے) کے سردار ہدیل بن ورقاء آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: قریش کی ایک بھاری جمعیت مستعد کھڑی ہے، وہ آپ کو کعبہ میں جانے نہ دیں گے۔ آپ نے اُن سے فرمایا: اُنھیں جا کر کہہ دو کہ ہم صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں، لڑائی ہمارے حاشیہ خیال میں بھی نہیں۔ جنگ نے قریش کی حالت زار زار کردی ہے؛ اس لیے بہتر ہے کہ ہم سے ایک مدت تک کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ کر لیں اور مجھے عربوں کے ہاتھوں چھوڑ دیں۔ اگر وہ اس پر راضی نہیں تو خدا کی قسم! میں اُس وقت تک لڑتا رہوں گا، جب تک میرا سرتن سے جدا نہ کر دیا جائے۔ (السنن الكبرى للبيهقي، باب المهادنة.....، حدیث نمبر: ۱۹۲۸۰)

بدیل نے قریش کے پاس آ کر کہا کہ میں محمد کے پاس سے کچھ پیغام لے کر آیا ہوں، اشرار نے سننے سے انکار کیا؛ لیکن سنجیدہ قسم کے افراد نے پیغام سننے کی اجازت دی۔ اُنھوں نے آپ کا پیغام سنایا۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے اہل مجلس سے کہا: کیوں قریش! کیا میں تمہارے لیے باپ کے مقام اور تم میرے لیے بیٹوں کے درجہ میں نہیں؟ سبھوں نے کہا: ہاں! ایسا ہی ہے۔ پھر اُس نے کہا: میری نسبت تمہیں کوئی بدگمانی تو نہیں؟ جواب ملا: نہیں! اس نے کہا: پھر تو مجھے خود محمد کے پاس جا کر معاملہ طے کرنے کی اجازت دو، اس نے معقول تجویز رکھی ہے۔

عروہ بن مسعود آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اُن سے بھی وہی باتیں کہیں، جو بدیل سے کہہ چکے تھے۔ اُس وقت عروہ نے آپ کو مخاطب کر کے کہا: اُی محمد! اُرأیت ان استأصلت أمر قومك، هل سمعت بأحد من العرب اجتاح أصله قبلك؟ وإن تكن الأخرى، فإنني والله لأرى وجوهاً، وإني لأرى أشواباً من الناس خليفاً أن يفروا، ويدعوك ”اے محمد! اگر تم نے اپنی قوم کا استیصال کر دیا تو کیا اس کی بھی کوئی مثال ہے کہ کسی نے اپنی ہی قوم کا خاتمہ کر دیا ہو؟ لیکن اگر لڑائی کا رخ بدلا (اور اہل مکہ تم پر غالب آ گئے) تو میں تمہارے ساتھ ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں، جو تمہیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے“۔ عروہ کی اس بدگمانی پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سخت درشت لہجہ اختیار کرتے ہوئے فرمایا: کیا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی سخت کلامی کون کر عروہ نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا: ابو بکر ہیں! عروہ نے کہا: اگر مجھ پر تمہارا (زمانہ جاہلیت میں دیا ہوا وہ) احسان نہ ہوتا، جس کی میں نے ابھی مکافات نہیں کی ہے تو میں تمہیں اس سخت کلامی کا جواب ضرور دیتا۔

اب عروہ حضور ﷺ سے جو گفتگو ہوئے اور عربوں کی عادت کے مطابق اثنائے کلام آپ کی داڑھی مبارک پر بھی ہاتھ پھیرتے جاتے۔ عروہ کی اس حرکت کو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جاسارت تصور کیا اور ان کے ہاتھ پر ٹھوکا دیا اور کہا: أحر يدك من لحيه رسول الله ﷺ ”حضور ﷺ کی داڑھی مبارک سے اپنے ہاتھ دو رکھو“۔ عروہ نے زہر پوش حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی طرف نگاہ اٹھائی اور پوچھا: یہ کون؟ جواب ملا: مغیرہ بن شعبہ! یہ سن کر عروہ نے کہا: ارے اوعدار! کیا میں نے تمہاری اُس غداری کا بدلہ نہیں دیا تھا (جو تم نے زمانہ جاہلیت میں ایک قوم کے ساتھ کیا تھا؟)۔ پھر زویدہ نگاہوں سے صدق و صفا کے پیکر عشاق رسول کو دیکھنے لگے اور جاں نثاران رسول کی اک اک ادا کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لینے کے بعد قریش کے پاس لوٹے اور یہاں کا آنکھوں دیکھا حال اس طرح بیان کرنے لگے: ”اے اہل مجلس! بخدا میں نے بادشاہوں کے محلات اور قصور کے سیر کیے ہیں، میں نے کسری اور قیصر کا دربار بھی دیکھا ہے؛ لیکن میں نے کسی بھی ایسے بادشاہ کو نہیں دیکھا، جس کے لوگ اُس کی اس قدر تعظیم کرتے ہیں، جس قدر تعظیم محمد کے ساتھی محمد کی کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! محمد کی ناک کی ریزش بھی زمین پر گرنے نہیں پاتی کہ اُس کے ساتھی اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے چہروں اور اپنے جسموں پر مل لیتے ہیں۔ وہ جب کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو اُس کے ساتھی اُس کام کو انجام دینے کے لیے لپک پڑتے ہیں۔ جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کے پانی کو لینے کے لیے منافست پراتر آتے ہیں۔ جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو تمام لوگ مہربان ہو جاتے ہیں اور کوئی بھی شخص عظمت و جلال کی وجہ سے اُسے نگاہ بھر کر بھی نہیں دیکھتا۔ یقیناً محمد کی طرف سے ایک مناسب تجویز آئی ہے، اُسے قبول کر لینا چاہیے“۔

عروہ کی باتیں سن کر بنو کنانہ کے ایک فرد نے آپ کے پاس آنے کی اجازت چاہی، قریش نے اُسے بھی جانے کی اجازت دے دی۔ جب وہ کاروانِ نبوت کے قریب پہنچا تو آپ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ”دیکھو! فلاں آرہا ہے، اس کا تعلق ایسی قوم سے، جو ہدی کے جانوروں کو تعظیم کی نگاہ سے دیکھتی ہے، لہذا تم لوگ ہدی کے جانوروں کے ساتھ اس کا استقبال کرو“۔ صحابہ نے جانوروں کے ساتھ تلبیہ پڑھتے ہوئے خوش آمدید کہا۔ جب اُس نے یہ کیفیت دیکھی تو بے ساختہ پکارا: سبحان الله! ما ينبغي لهؤلاء أن يصدوا عن البيت ”سبحان الله! ایسے لوگوں کو تو بیت اللہ سے نہیں روکا جانا چاہیے“۔ پھر وہ قریش کے پاس لوٹ کر آیا اور اُس نے اپنی یہی رائے پیش کی۔

اب مکرز بن حفص نے آنے کی اجازت لی۔ جب وہ آپ کے قریب پہنچا تو آپ نے فرمایا: ”مکرز بن حفص آرہا ہے، یہ بُرا آدمی ہے“۔ پھر اُس کے ساتھ بات چیت میں مصروف ہو گئے۔ اسی دوران قریش کی طرف سے وثیقہ عہد تیار کرنے کے لیے آپ کے پاس سہیل بن عمرو آیا۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو املاء کے لیے بلایا اور کہا: لکھو: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾۔ سہیل نے کہا: ”ہم رحمان کو نہیں جانتے؛ اس لیے وہ لکھو، جو ہم لکھتے چلے آ رہے ہیں، یعنی: باسمک اللہم“۔ آپ نے باسمک اللہم لکھوایا، پھر کہا: لکھو: هذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ ”یہ وہ ہے، جس پر اللہ کے رسول محمد نے مصالحت کی ہے“۔ سہیل نے کہا: ”خدا کی قسم! اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم ہی کر لیتے تو بیت اللہ سے ہرگز نہ روکتے اور نا ہی آپ سے جنگ کرتے؛ اس لیے محمد بن عبد اللہ لکھئے“۔ آپ

نے اُس کی یہ بات سن کر فرمایا: ”اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں، اگرچہ کہ تم لوگ مجھے جھٹلاؤ۔“ پھر حضرت علی سے محمد بن عبد اللہ ہی لکھنے کے لیے کہا۔

اب تحریری شکل کو آگے بڑھاتے ہوئے آپ نے املا کرایا: ”یہ مصالحت اس بات پر ہے کہ تم لوگ بیت اللہ کے طواف سے ہمیں نہیں روکو گے۔“ سہیل نے کہا: اس کی وجہ سے کہیں عرب یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ ہم نے دب کر صلح کی ہے؛ اس لیے یہ آئندہ سال پراٹھا رکھیں۔“ آپ نے اُس کی یہ بات بھی مان لی۔ اب سہیل نے اپنی طرف سے ایک شق لکھائی کہ ”ہمارا کوئی بھی مرد مسلمان ہو کر آپ کے پاس آجائے تو آپ اُسے ہمارے پاس لوٹا دیں گے؛ لیکن اگر آپ کا کوئی ساتھی آپ کا دین چھوڑ کر آئے تو ہم اُسے نہیں لوٹائیں گے۔“ صحابہ نے کہا: سبحان اللہ! دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد کسی کو کیسے لوٹایا جائے گا؟

معاہدہ کی اس شق پر بحث و تمحیص چل ہی رہی تھی کہ ابو جندل بن سہیل بن عمرو قفس تعذیب سے فرار ہو کر بیڑیوں میں گھسٹتے ہوئے یہاں پہنچے۔ سہیل نے انہیں دیکھتے ہی کہا: ”معاہدہ کا نفاذ ہمیں سے ہوگا۔“ آپ نے فرمایا: ”ابھی تو معاہدہ کی تکمیل بھی نہیں ہوئی۔“ سہیل نے جواب دیا: ”پھر تو کسی چیز پر مصالحت نہیں ہو سکتی۔“ آپ نے فرمایا: ”اچھا میری خاطر اسے چھوڑ دو۔“ اس نے کہا: ”میں اس پر بھی تیار نہیں۔“ (بخاری، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب و کتابة الشروط، حدیث نمبر: ۲۷۳۲) آپ نے اُس وقت حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: یا ابا جندل! إصبر واحتسب، فإن الله عز وجل جاعل لك وللمن معك من المستضعفين فرجاً ومخرجاً، إن ائقدا عقدنا بیننا و بین القوم صلحاً، فأعطیناهم علی ذلك، وأعطونا علیه عهداً، وإنالین نغدر بهم. (السنن الصغرى للبيهقى، باب المهادنة على النظر للمسلمين، حدیث نمبر: ۳۷۷۲ (۸/ ۱۶۳)، مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۸۹۱۰ (۳۱/ ۲۱۹)) ”اے ابو جندل! صبر کرو اور امید رکھو، اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے ساتھ دوسرے کمزوروں کے لیے ضرور کوئی سہیل نکالے گا۔ ہم نے قریش سے عقد صلح کر لیا ہے اور اس پر زبان دیدی ہے اور ان لوگوں نے بھی ہم سے عہد کیا ہے اور ہم ان غداری کے مرتکب نہیں ہو سکتے، اور انہیں واپس مکہ بھیج دیا۔

اس معاہدہ کی وہ تمام شقیں، جن پر قریش راضی تھے، اس طرح ہیں:

- (۱) دس سال تک حرب و ضرب موقوف رہے گی۔
- (۲) قریش کا جو مرد مسلمان ہو کر اپنے اولیاء اور موالی کی اجازت کے بغیر مدینے آجائے، اُسے واپس کر دیا جائے گا۔
- (۳) مسلمانوں میں سے جو مرد (راہ ارتداد اختیار کے) مکہ آجائے، اُسے واپس نہ کیا جائے گا۔
- (۴) مدت معاہدہ میں کوئی دوسرے پر تلوار نہیں اٹھائے گا اور نا ہی کسی سے خیانت کرے گا۔
- (۵) محمد اس سال واپس چلے جائیں اور آئندہ سال مکہ میں صرف تین دن رہ کر عمرہ کر کے واپس ہو جائیں، سوائے تلواروں کے اور کوئی ہتھیار ساتھ نہ ہو اور وہ بھی نیام میں رہیں۔

٦) قبائل متحدہ جس کے حلیف بنا جائیں، بن سکتے ہیں۔ (زاد المعاد، فصل فی قصة صلح الحديبية:

٢٩٩/٣، القول المبين في سيرة سيد المرسلين لمحمد الطيب النجار، صلح الحديبية: ٣١٦/١)

اس معاہدہ میں آپ نے قریش کی وہ تمام شرطیں منظور کر لیں، جو بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں، جس کی وجہ سے صحابہ ایک قسم کی اندرونی گھٹن میں مبتلا ہو گئے؛ حتیٰ کہ حضرت عمر نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس طرح سوال کرنا شروع کر دیا: کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے ہر سوال کے جواب میں ”کیوں نہیں“ (یعنی ہاں! ہم حق پر ہیں اور میں اللہ کا برحق نبی ہوں) فرمایا۔ تب حضرت عمر نے کہا: فلم نعطي الدنيا في ديننا إذن؟ ”پھر ہم دین میں کمی کیوں برداشت کریں؟“۔ آپ نے جواب دیا: إني رسول الله، ولست أعصيه، وهو ناصري ”میں اللہ کا رسول ہوں، اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا اور وہ میرا حامی و ناصر ہے۔“ حضرت عمر نے پھر سوال کیا: کیا آپ نے ہمیں نہیں بتایا تھا کہ ہم بیت اللہ جا کر اس کا طواف کریں گے؟ آپ نے جواب دیا: تو کیا میں نے تمہیں یہ بات بھی بتائی تھی کہ اسی سال کریں گے؟ تم ضرور جاؤ گے اور بیت اللہ کا طواف کرو گے۔

جب معاہدہ کی تکمیل ہو گئی تو آپ نے صحابہ ﷺ سے فرمایا: قوموا، وانحروا، ثم احلقوا ”اٹھو، اپنے جانوروں کا خر کر و اور پھر اپنے سروں کا حلق کراؤ“۔ گھٹن کی کیفیت میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کسی صحابی نے بھی جنبش نہ کی؛ حتیٰ کہ آپ نے تین مرتبہ یہی بات فرمائی۔ جب کسی نے حرکت نہیں کی تو آپ حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس آئے اور لوگوں کے اس رد عمل کا تذکرہ کیا۔ حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: يا نبي الله! أتتعب ذاك؟ أخرج، ثم لا تكلم أحداً منهم كلمة؛ حتى تنحر بدنك، وتدعو حالقك فيحلقك. اے اللہ کے نبی! کیا آپ یہی چاہتے ہیں؟ (اگر آپ یہ چاہتے ہیں) تو نکیے اور کسی سے ایک لفظ مت کہیے۔ بس سیدھے جا کر اپنے ہدی کے جانور ذبح کر دیجئے اور نائی کو بلو کر حلق کروائیے۔ آپ نے حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے مشورے پر عمل کیا۔ جب صحابہ نے آپ کو ایسا کرتے دیکھا تو ان لوگوں نے بھی اپنے جانور ذبح کر دئے اور (مارے گھٹن کے) ایک دوسرے کا اس طرح حلق کرنے لگے، جیسے گردن ہی کاٹ ڈالیں گے۔ (بخاری، باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب وكتابة الشروط، حدیث نمبر: ٢٧٣٢)

حدیبیہ میں تقریباً دو ہفتے قیام کرنے کے بعد آپ نے اپنے رفقاء کے ساتھ واپسی کے لیے کجاوہ کسا۔ جب مکہ مکرمہ اور مدینہ کے درمیان پہنچے تو سورہ فتح نازل ہوئی۔ آپ نے صحابہ کو جمع فرما کر ﴿إنا فتحنا لک فتحاً مبیناً﴾ سنائی۔ صحابہ انگشت بدندان رہ گئے اور دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے جواب دیا: قسم ہے اُس ذات کی، جس کے قبضے میں میری جان ہے! بے شک یہ عظیم الشان فتح ہے۔ (مسند احمد، حدیث مجمع بن جارية، حدیث نمبر: ١٥٤٧٠ (٢٤/٢١٢)

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچ گئے تو ابوبصیر کفار قریش کی قید سے بھاگ کر مدینہ پہنچے۔ قریش نے فوراً ان کی واپسی کے لیے دو لوگوں کو مدینہ روانہ کیا۔ آپ نے ایفائے عہد کرتے ہوئے ابوبصیر کو ان کے ساتھ مکہ کے لیے روانہ کر دیا۔

ابولصیر اُن کے ساتھ روانہ تو گئے؛ لیکن راستہ میں اُن میں سے ایک کو قتل کر دیا، جب دوسرے نے یہ حال دیکھا تو بھاگ کھڑا ہوا اور سیدہ امینہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میرا ساتھی تو مارا گیا اور اب میں بھی مارا جانے والا ہوں۔ اُس کے پیچھے ابولصیر بھی مدینہ پہنچے اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کے عہد کو پورا کر دیا۔ آپ نے تو مجھے اُن کے حوالے کر دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن سے نجات کی میرے لیے ایک سبیل مہیا فرمادی ہے۔ میں نے یہ جو کچھ کیا، محض اس لیے کیا کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: ویل أمہ! مسعر حرب. لو کان له أحد! ”ناس ہو! جنگ بھڑکانے والا ہے۔ کاش! کوئی اس کے ساتھ ہوتا“۔ حضرت ابولصیر سمجھ گئے کہ آپ کو میرا بھرا نہیں؛ چنانچہ اُنھوں نے ساحل سمندر کو ٹھکانہ بنایا۔ (بخاری، باب الشروط فی الجہاد..... حدیث نمبر: ۲۷۳۲)۔ اب جو بھی مکہ سے فرار ہو کر آتا، سیدھے ساحل پر پہنچتا، اس طرح ستر (۷۰) یا تین سو (۳۰۰) لوگوں کی ایک بڑی تعداد اکٹھی ہوگی۔ یہ ساحل مکہ سے شام جانے والے تاجرین قریش کی راہ میں پڑتا تھا؛ چنانچہ ان لوگوں نے اُن کے مال و اسباب کو اپنی غذائی قلت دور کرنے کا ذریعہ بنایا۔ جب قریش ان سے تنگ آگئے تو آپ کو ان لوگوں کو اپنے پاس بلا لینے اجازت دیدی اور اس طرح معاہدہ کی ایک شق کو ان لوگوں نے خود ہی کا عدم قرار دے دیا، جب کہ پورا معاہدہ اُس وقت اختتام پذیر ہوا، جب قریش کے حلیف بنو مکہ نے قریش کے ساتھ مل کر بنو خزاعہ پر چشمہ ”وتیر“ میں شب خوں مارا اور اُن کے بہت سارے افراد کو موت کی نیند سلا دیا۔ چنانچہ عمرو بن سالم خزاعی نے بنو خزاعہ کا ایک وفد لے کر دربار نبوت میں حاضر باش ڈہائی دی، جس کو سن کر آپ نے فرمایا: نُصِرْتُ یاعمر بن سالم. (السنن الکبریٰ للبیہقی، حدیث نمبر: ۱۹۳۳۱) ”اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد کی جائے گی“۔ پھر آپ نے بنو خزاعہ کی مدد کی، جس کے نتیجے میں مکہ فتح ہوا۔

یہ تھی روداد معاہدہ۔ اب آئیے اس معاہدہ سے حاصل ہونے والے دروس و اسباق پر نظر ڈالتے چلیں:

### معاہدہ کا لحاظ

آپ نے کفار قریش سے کیے ہوئے اس معاہدہ کا پورا پورا لحاظ فرمایا اور معاہدہ کے مطابق ہر اُس کام کو انجام دیتے رہے، جو معاہدہ میں طے ہوا تھا؛ چنانچہ مدینہ پہنچنے کے بعد جب ابولصیر قید و بند کی صعوبتوں سے چھٹکارا حاصل کر کے مدینہ پہنچے اور شریکین مکہ نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا تو آپ نے انھیں اُن کے بھیجے ہوئے آدمیوں کے حوالہ کر دیا اور اُس عہد کی پاسداری کا مکمل ثبوت دیا، جو آپ نے اُن سے حدیبیہ کے مقام پر کیا تھا۔

آج ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ کیا ہم بھی اپنے کیے ہوئے عہد کا ایفا کرتے ہیں؟ کیا ہم وعدہ کر کے اپنی ادنیٰ منفعت کی وجہ سے اُس کی خلاف ورزی نہیں کر بیٹھتے؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ ہم نے معاہدہ کو نقصان سے بچنے کا ایک ظاہری سبب بنا رکھا ہے اور پس پشت مُعاہدہ (معاہدہ کرنے والا) کو ضرر پہنچانے کی تدبیریں نہیں کرتے رہتے؟ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو غیر سے کیے ہوئے عہد کو نباہ کر کے دکھا دیا اور ہم اُس کے امتی ہونے کے باوجود اپنوں سے کیے ہوئے پیمان کا پاس نہیں رکھتے۔ کاش! آپ کے اس عمل سے ہم نصیحت حاصل کرتے!

## مقصد پر نظر

آپ جب مقامِ عسافان پہنچے تو آپ کو یہ اطلاع دی گئی کہ خالد بن الولید (جو ابھی تک اسلام کی سعادت سے محروم تھے) ہراول دستے کے طور پر دوسو شہسواروں کے ہمراہ ”ثمیم“ تک پہنچ چکے ہیں۔ اس خبر کے سنتے ہی آپ نے اپنا راستہ بدل لیا کہ مقصود لڑائی نہیں؛ بل کہ سعادتِ عمرہ سے سرفراز ہونا تھا۔ اگر آپ چاہتے تو ان کا مقابلہ کر کے بہ زور شمشیر ان سے راستہ خالی کروا لیتے؛ لیکن چون کہ آپ کا مقصد قطعاً لڑائی نہیں تھا؛ بلکہ آپ کا مقصد بیت اللہ شریف کی زیارت سے مشرف ہونا تھا؛ اس لیے آپ نے مقصد پر نظر رکھتے ہوئے بذاتِ خود اپنا راستہ بدل لیا۔

آج ہمیں اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ کیا ہم بھی اپنے مقصد پر نظر رکھ رہے ہیں؟ کیا ہم بھی اپنے مقصد کے حصول کے لیے جھگڑا و فساد سے گریز کرتے ہیں؟ ہم تو ایسے ہیں کہ بلاوجہ اپنے بھائی کو مقدمات کے گھن چکر میں ڈال کر اُس کی زندگی کے مقصد بھی اُسے محروم کر دیتے ہیں۔ ہم حقیقی مقصد کو چھوڑ کر انانہ کی جیت کو مقصد کا درجہ دیتے ہیں۔ کاش! معاہدہ حدیبیہ کے اس واقعہ سے ہم ”مقصد پر نظر“ رکھنے کا سبق حاصل کر سکیں۔

## مصلحت اندیشی

آپ نے کفارِ قریش کے پاس سب سے پہلے یہ پیغام بھیجا یا کہ ”ہم صرف عمرہ کی غرض سے آئے ہیں، لڑائی ہمارے حاشیہ خیال میں بھی نہیں۔ جنگ نے قریش کی حالت زار زار کر دی ہے؛ اس لیے بہتر ہے کہ ہم ایک مدت تک کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ کر لیں اور مجھے عربوں کے ہاتھوں چھوڑ دیں“۔ یہ اس مصلحت کے پیش نظر تھا کہ اگر ایک مدت تک جنگ بندی ہوگئی تو اس طرف سے دھیان ہٹا کر دعوتِ اسلام کی طرف پوری توجہ مرکوز کیجا سکتی ہے اور ہوا بھی یہی کہ معاہدہ کے بعد ہی آپ نے دیگر بادشاہوں کے نام دعوتی خطوط لکھے۔

آج ہم اپنا محاسبہ کریں کہ کیا ہمارے اندر یہ مصلحت اندیشی پائی جا رہی ہے؟ آج ہم صرف جوش کے ٹٹو پر سوار ہو کر نہ جانے کتنے بننے کام بگاڑ دیتے ہیں! اور جہاں عزم و جزم کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں دُک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ خود ہمارے ملک میں ہماری مصلحت ناندیشیوں کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ قضیہ باری مسجد کے سلسلہ میں ایک بات یہ آئی تھی کہ اُسے آثارِ قدیمہ کے حوالے کر دیا جائے؛ لیکن مشورہ دینے والے پر ہی یہ الزام دھر دیا گیا کہ یہ حکومت کا پٹھو ہے۔ حالاں کہ آثارِ قدیمہ کے حوالے کر دینے کی بات مصلحت سے خالی نہیں تھی۔ جب مسجد کی چولیس ہل گئیں تب یہ بات سمجھ میں آئی۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ہم اپنی کم ہمتی اور بزدلی کو ضرور ”مصلحت اندیشی“ کا نام دیتے ہیں۔ ہمیں آپ کی اس مصلحت اندیشی سے کچھ سیکھنا چاہیے۔

## صلح میں پہل

کفارِ قریش کی طرف سے کسی پیش قدمی سے پہلے ہی آپ نے صلح و معاہدہ کا پیغام انہیں بھیجا یا۔ یہ آپ کی طرف



سے دستِ صلح دراز کرنے میں پہل کرنے کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ آج ہمیں یہ غور کرنا چاہیے کہ کیا ہم بھی کسی صلح کرنے میں پہل کرتے ہیں؟ آج ایسے بہت سارے نمونے ہمارے سامنے موجود ہیں کہ ایک سگے بھائی کی چپقلش اپنے سگے بھائی سے برسوں سے چلی آرہی ہے۔ راہ چلتے ایک دوسرے سے منہ چراتے ہیں۔ نہ خوشی کی بزم میں شریک ہوتے ہیں اور نا ہی غم کی مجلس میں حاضر؛ بل کہ ایک دوجے کی دشمنی میں جلتے بھنتے رہتے ہیں۔ بہت سارے مواقع پر ایک دوسرے سے بغل گیر بھی ہونا چاہتے ہیں؛ لیکن مونچھ کی اکڑن اور ناک کی اونچائی ایسا کرنے سے مانع بنتی ہے۔ کاش! آپ کے اس اُسوہ پر ہم عمل پیرا ہو سکتے!

## اہانتِ رسول پر رد عمل

جب عروہ آپ سے ہم کلام ہوئے اور عربوں کی عادت کے مطابق اثنائے کلام آپ کی داڑھی مبارک پر بھی ہاتھ پھیرنے لگے تو عروہ کی اس حرکت کو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے جسارت اور اہانت تصور کیا اور اُن کے ہاتھ پر ٹھوکا دیا اور کہا: ”حضور ﷺ کی داڑھی مبارک سے اپنے ہاتھ دوڑ رکھو۔“

حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کے اس فعل سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ آپ کی شان میں ادنیٰ گستاخی بھی ہمارے لیے قابلِ قبول نہیں۔ آج دشمنانِ اسلام آپ کی شان میں طرح طرح کی گستاخیاں کر رہے ہیں؛ لیکن ہم اُن گستاخیوں کا جواب بجز احتجاج کے اور کسی طرح نہیں دے رہے ہیں، ہمیں احتجاج سے آگے بڑھ کر ایسے قوانین وضع کرنے کا مطالبہ بھی کرنا چاہیے، جس میں اس طرح کی حرکت کرنے والوں کے لیے سخت ترین سزاؤں کی تعیین ہو اور اگر طاقت ہو تو اُس مرتکب جرم کو اُسی طرح ٹھوکا دینے سے گریز نہ کریں، جس طرح حضرت مغیرہ بن شعبہ نے دیا تھا۔

## برے کی بُرائی سے آگاہی

جب مکرز بن حفص آپ کے قریب پہنچا تو آپ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ”مکرز بن حفص آرہا ہے، یہ بُرا آدمی ہے“ آپ کے اس عمل سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ ہم برے شخص کی بُرائی دوسروں کے سامنے واضح کر دیں؛ تاکہ وہ اُس کی بُرائی سے محفوظ رہ سکے۔ آج ہمارے درمیان بہت سارے ایسے لوگ ہیں، جو بروں کی بُرائی سے اپنے بھائی کو اس لیے آگاہ نہیں کرتے کہ یہ اُس کا معاملہ ہے، وہ سمجھے، مجھے اس سے کیا سروکار؟ خصوصاً رشتوں کے معاملے میں اس طرح کے واقعات بکثرت پیش آتے ہیں۔ آپ کے اس عمل سے ہمیں نصیحت حاصل کرنی چاہیے اور برے کی بُرائی سے دوسروں کو بھی محفوظ رکھنا چاہیے۔

## مستقبل پر نظر

معاہدہ کی تمام شقیں بد ظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں؛ لیکن آپ نے تمام کو منظور فرمایا۔ دراصل آپ کے پیش نظر مستقبل تھا کہ ایک بار معاہدہ ہو جانے کے بعد سکون و اطمینان کے ساتھ دعوتِ دین کے فریضہ کی ادائے گی کی طرف

توجہ دی جاسکے گی، جس کے نتیجے میں دیگر قبائل عرب کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا قوی امکان تھا۔ ہوا بھی ایسا ہی۔ مدت معاہدہ میں اچھے خاصے لوگ حلفہ گویش اسلام ہوئے۔

آج ہماری نگاہ کسی بھی کام میں مستقبل کے بجائے حال پر ہوتی ہے۔ ہم کام کم اور نتیجے کی فکر زیادہ اور شتاب کرتے ہیں؛ حالاں کہ عجلت پسندی کے نتیجے میں آراستگی کم اور اُجاڑ زیادہ ہوتا ہے۔ کسی بھی کام کی ابتدا ہمیں یہ سوچ کرنی چاہیے کہ اس کا ثمرہ پیش از پیش حاصل ہو جائے؛ بلکہ مستقبل کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اسی سوچ کے ساتھ کوئی فعل یا فیصلہ کرنا چاہیے کہ صلح حدیبیہ کا ایک پیغام یہ بھی ہے۔

## بیوی کے درست مشورے پر عمل

جب معاہدہ کی تکمیل ہوگئی تو آپ نے صحابہ سے ہدی کے جانوروں کو ذبح کرنے اور اپنے سروں کے حلق کرانے کا حکم دیا۔ گھٹن کی کیفیت میں بتلا ہونے کی وجہ سے کسی صحابی نے بھی جنبش نہ کی؛ حتیٰ کہ آپ نے تین مرتبہ یہی بات فرمائی۔ جب کسی نے حرکت نہیں کی تو آپ حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس آئے اور لوگوں کے اس رد عمل کا تذکرہ کیا۔ حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا: ”اے اللہ کے نبی! کیا آپ یہی چاہتے ہیں؟ (اگر آپ یہ چاہتے ہیں) تو نیکلیے اور کسی سے ایک لفظ کہے بنا اپنے ہدی کے جانور ذبح کر دیجئے اور ناپی کو بلوا کر حلق کروائیے“۔ آپ نے حضرت ام سلمہ کے درست مشورے پر عمل کیا۔ آج ہم اپنی بیویوں کے کسی بھی مشورے کو قبول کرنے کی نگاہ سے نہیں دیکھتے؛ حالاں کہ اُن کے بہت سارے مشورے راہ صواب کی رہنمائی کرتے ہیں۔ آپ کے اس عمل سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ اپنی بیویوں کے مشورے کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھیں، درست معلوم ہونے پر اُس پر عمل کرنے سے صرف یہ سوچ کر نہ کترائیں کہ لوگ کہیں ”جو رد کا غلام“ نہ کہنے لگیں۔

## مسلمان کی جان کی قیمت

جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت عثمان قتل کر دیا گیا ہے تو آپ نے ان کے خون کا بدلہ لینے پر صحابہ سے بیعت لی اور فرمایا: جب تک میں عثمان کے خون کا بدلہ نہ لے لوں، اُس وقت تک یہاں سے حرکت نہیں کروں گا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک مسلمان کی جان کی قیمت کیا ہے؟

آج ہم اپنے معاشرہ پر نظر دوڑائیں کتنے ایسے لوگ ہیں، جو ایک مسلمان کے خون کو اتنی اہمیت دیتے ہیں؟ جو گھر پلوڑائی کے بدلہ اپنے حقیقی بھائی کے قتل کے درپے نہیں ہو جاتے؟ جو ایک مسلمان کے خون ہو جانے کی خبر سن کر بے چین ہو جاتے ہیں؟ آج مختلف ممالک میں خون مسلم کو پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے، کیا ہمارا دل اس پر مچل اُٹھتا ہے؟ کاش! بیعت الرضوان سے یہ سبق ہم سیکھ سکتے!!